ماسٹر تاج الدین انصاری

وہ دن کہاں گئے وہ زمانے کدھر گئے

پروردگار عالم نے ابن آدم کو عجیب عجیب نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ یہ مشت خاک مجموعۂ کمالات ہے۔ غور فرمائیے کہ انسان حافظے کی کمندیں ڈال کر اپنے ماضی کو کس آسانی سے کھینچ لاتا ہے۔ تیس چالیس سال پہلے کے گزرے ہوئے واقعات آن واحد میں اس طرح سامنے آجاتے ہیں گویا ابھی وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے آج سے تقریباً چالیس سال قبل جب میں روزنامہ زمیندار کا مطالعہ کرتا تو ترکوں پر برطانیہ کے مظالم پڑھ کر مجھے دکھ ہوتا تھا۔ پھر رہ رہ کر یہ خیال بھی آتا تھا کہ اسی برطانیہ نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے۔ اور اسی کے ہاتھوں آج ترکوں کی تباہی اور بے آبروئی ہو رہی ہے۔ پھر سوچتا کہ ہم بالکل بے بس ہیں اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔ ایک دن مایوسی ناامیدی اور بے کسی کے خیالات میں گھرا ہوا گھر سے تھوڑی دور باہر چوک پر پہنچا تو میرے بچپن کے دوست میر محمد فیضی نے بتایا کہ وہ امرتسر سے آرہے ہیں وہاں گزشتہ رات ایک جلسۂ عام تھا۔ اس میں ایک نوجوان مولوی نے ایسی پیاری تقریر کی سبحان اللہ! ایمان تازہ ہو گیا۔ پوچھا کیا نام تھا مولوی کا؟ میر محمد فیضی نے جواب دیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ پھر کہنے لگا مولوی کیا ہے فرشتہ ہے سید زادہ بڑا ہی خوبصورت نوجوان ہے۔ اللہ نے لحن داؤدی عطا فرمایا ہے۔ قرآن پڑھتا ہے تو سامعین پر وجد طاری ہوتا ہے۔ بولتا ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں تقریر ایسی دل پذیر کہ دلوں میں اتر جاتی ہے۔ مجھے تو اب تک نشہ ہے۔ امرتسر سے مسرور ہو کر آیا ہوں۔" اس ظالم نے بخاری کی باتیں سنا سنا کر مجھے ایسے موڑ پر لا کر کھڑا کیا کہ جہاں طبیعتیں نیا راستہ تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ میں اپنے دوست سے حضرت شاہ جی کی تعریف سن کر سوچنے لگا کہ ایسی تقریر تو ضرور سننا چاہیئے میں امرتسر پہنچوں یا انہیں لدھیانے بلاؤں چنانچہ میر محمد فیضی سے مشورہ کئے بعد طے ہوا کہ شاہ جی کو لدھیانے بلا کر جلسۂ عام کیا جائے۔ جلسہ کیسے ہوگا۔ انتظام کون کرے گا۔ جلسہ کس جگہ کیا جائے؟ جوانی کے جوش نے کچھ سوچنے سمجھنے نہ دیا۔ دوسرے دن میر فیضی کو امرتسر روانہ کر دیا۔ اور تاکید کر دی کہ شاہ جی لدھیانے تشریف لانے کے لئے آمادہ ہو جائیں تو مجھے تار کے ذریعے اطلاع کر دی جائے۔

میر فیضی بڑے ذہین اور جوشیلے نوجوان تھے وہ امرتسر پہنچے اور شاہ جی سے دوسرے دن لدھیانے آنے کا وعدہ لے کر واپس آگئے۔ پہلے جلسے کا اعلان بھی ہم نے خود ہی کیا۔ گیس کے ہنڈے، فرش اور ٹھنڈے پانی کا بندوبست غرضیکہ جلسے کے لوازمات اور انتظامات سے فارغ ہو کر ہم نے دوستوں کو ہمراہ لیا اور شاہ صاحب کے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ گاڑی لدھیانہ اسٹیشن پر آکر رکی۔ تو میں شاہ جی کو پہچانتا نہ تھا۔ فیضی نے انہیں دیکھا ہم سب لپک کر ان کے کمپارٹمنٹ کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ سڈول جسم کا خوبصورت نوجوان جس کی پیشانی شرافت، نجابت اور شجاعت کا پتہ دے رہی تھی۔ نہایت سادہ لباس

میں گاڑی سے مسکراتا ہوا پلیٹ فارم پر اترا۔ میں نے معزز مہمان کو غور سے دیکھا بھرپور جوانی کی خوبصورت آنکھوں میں مستی کے بجائے حیا کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ یہ تھے بخاری جن سے میرا تعارف کرایا گیا۔ بخاری خراماں خراماں دوستوں عقیدت مندوں اور اجنبیوں کے جھرمٹ میں ریلوے اسٹیشن سے باہر تشریف لائے۔ ہم انہیں گھوڑا گاڑی میں بٹھا کر میر فیضی کے مکان پر لے گئے۔ انہیں کمرے میں بٹھا کر میں نے اپنے دوست سے کہا فیضی میرے دل میں سید زادے کو دیکھ کر اتنا اثر ہوا ہے۔ تقریر سنوں گا تو کیا ہوگا؟ فیضی نے ہنس کر کہا جلسے کے بعد دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ ہم نے شاہ جی کو کھانا کھلایا اور عشاء کی نماز کے لئے سامنے والی مسجد میں چلے آئے۔ اور نماز سے فارغ ہو کر جلسہ گاہ کی طرف چل دیئے۔

خلوص میں برکت ہے۔ ہمارے ساتھ کون تھا۔ ہم نوجوانوں کی حیثیت ہی کیا تھی مگر لدھیانے میں پہلا جلسہ اس ٹھاٹھ کا ہوا کہ دریا کے کنارے کا بہت وسیع میدان ہندو اور مسلمانوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ لوگوں کے دلوں میں نیا نیا شوق اور جوش تھا۔ وہ بخاری کی تقریر سننے کے لئے جوق در جوق چلے آرہے تھے جلسہ شروع ہوا۔ بخاری نے خطبہ مسنونہ پڑھا۔ قرآن پاک کی تلاوت شروع کی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے آیات ابھی ابھی نازل ہو رہی ہیں۔ مجمع پر سکوت طاری تھا قرآن پاک کی تلاوت دل کی آلودگیوں کو صاف کر کے نور ایمان سے جگمگا رہی تھی۔ سامعین پر وجد طاری تھا۔ جلسہ گاہ میں مکمل سکوت تھا۔ جب بخاری نے بولنا شروع کیا تو گویا لالہ زار کھل گیا۔ اور جب اپنے خاص انداز اور ترنم سے برمحل شعر پڑھتے تو سامعین پھڑک اٹھتے۔ سبحان اللہ اور جزاک اللہ کی صدائیں بلند ہوتیں۔ تکبیر کے نعروں سے فضا گونج اٹھتی۔ رات کے ایک بجے تک جلسہ رہا۔ بخاری نے پہلی تقریر ہی سے لہسنی دھاک بٹھا دی۔ تحریک کے لئے میدان ہموار ہو گیا۔ تقریر بخاری نے کی مگر اپنے شہر میں ہمیں عقیدت اور محبت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ یعنی لکڑی کے ساتھ لوہا بھی تیرنے لگا۔ ہزارہا لوگوں کی زبانوں پر بخاری کا قصیدہ تھا۔ میرے ساتھیوں اور ہاتھ بٹانے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ بہادر اور مخلص نوجوان میرے گرد جمع ہو گئے۔ شہر والوں نے پھر تقاضا کیا کہ بلاؤ بخاری کو ہم نے دوبارہ درخواست کی جسے بخاری نے قبول فرمالیا۔ بخاری کی بار بار تشریف آوری سے ہمارے ہاں کے اکثر نوجوان صحیح رنگ میں رنگے جا چکے تو ایک روز جلسے کے اختتام پر وہ مجھے الگ لے گئے اور فرمانے لگے کہ لدھیانہ تو علماء کا زبردست تارکنی مرکز ہے۔ یہ دوسرا دیوبند ہے۔ تم مولوی حبیب الرحمان کو جانتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے عرض کیا کہ ہم تو ایک ہی محلے کے رہنے والے ہیں۔ بچپن میں ایک ساتھ کھیلتے رہے ہیں۔ بخاری نے فرمایا کہ پھر مجھے کیوں بلاتے ہو۔ وہ تو بڑی خوبیوں کے مولوی ہیں خاندانی وجاہت کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں۔ ان کا خاندان تو انگریز دشمنی میں نمبر ایک پر شمار ہوتا ہے۔ تم ان سے ملو۔ اب میں یہاں نہیں آؤں گا۔ تم ہر ہفتے مجھے بلا لیتے ہو۔ مجھے امرتسر اور لاہور ہی میں کام کرنے دو۔ مگر مجھے چونکہ بخاری سے بے پناہ عقیدت اور غایت درجہ کی محبت تھی۔ میری درخواست پر وہ لدھیانے آہی جاتے تھے حقیقت یہ ہے کہ مجھے سیاسی میدان میں کھینچ کر لانے اور غلامی سے نفرت اور بیزاری پیدا کرنے میں انہیں کا ہاتھ ہے۔ ورنہ میں تو قطعی دنیا دار اور کھلنڈرا نوجوان تھا۔ شکار سے فرصت ملی تو کرکٹ کھیل کر دن ضائع کر دیا۔ بخاری کی محبت

بھری ملاقاتوں نے میری زندگی کو یکسر بدل ڈالا۔ آزادیٔ وطن کے لئے قربانی کا جذبہ بخاری نے میرے دل میں اس طرح کوٹ کوٹ کر بھر دیا کہ مجھے حال کے دریچے سے ماضی کو جھانکنے ہی کی فرصت نہ ملی۔ جیل جس کے تصور سے دل کانپ اٹھتا تھا کوچۂ محبوب بن گیا۔

طواف کوچۂ محبوب اپنا مشغلہ ٹھہرا
جانا ہو کہیں مگر جانا ادھر ہو کر

۱۹۱۹ء میں جب بخاری نے خداداد قابلیت اور آتش بیانی سے برطانوی سامراج کا انجر پنجر ڈھیلا کرنا شروع کیا تو فرنگی نے کان کھڑے کئے اور بھانپ لیا کہ اس جادو بیاں نوجوان کو آہنی پنجے سے دبوچ نہ لیا تو یہ دل جلا ہر ہندوستانی کے دل میں ایسی آگ سلگائے گا جس پر قابو پانا محال ہو جائے گا چنانچہ کسی ایک تقریر کی بنا پر حضرت شاہ صاحب کو گرفتار کر کے جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ مجسٹریٹ نے جب انہیں تین سال قید سخت کا حکم سنایا تو انہوں نے فقرہ چست کرتے ہوئے فرمایا

"واہ بھئی واہ تین خداؤں کو ماننے والی حکومت نے سزا بھی تین سال ہی کی دی۔"

بخاری کو امرتسر سے لاہور اور لاہور سے میانوالی جیل میں بھیج دیا گیا۔ میرے ایسے ہزاروں عقید تمندوں نے بخاری کی جدائی کو سختی سے محسوس کیا۔ دل بے تاب ہونے لگے۔ سلگنے والی آگ بھڑکنے لگی۔ میں اس وقت "گونگا مجاہد" تھا۔ فن تقریر سے قطعی ناآشنا۔ جیل جانے کے لئے بے تاب تھا مگر اندر جانے کا کوئی طریقہ کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔ کانگریس اور خلافت کمیٹی کے رہنما سول نافرمانی کی راہیں تلاش کر رہے تھے مگر ان کو بھی مناسب طریقہ اور صحیح راستہ نظر نہ آتا تھا۔ اس مشکل کو برطانوی کارندوں نے آسان کر دیا چنانچہ حکومت کی جانب سے لاامنڈمنٹ ایکٹ نافذ کر دیا گیا۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ میں دوڑا دوڑا لاہور پہنچا تو صوبائی رہنماؤں کی مجلس مشاورت ہو رہی تھی۔

مجھے بخاری کی یاد نے تڑپا رکھا تھا۔ میں نے رہنماؤں کے سامنے استدعا کی اور آٹھ سو رضا کاروں کے حلف نامے پیش کرتے ہوئے سول نافرمانی کی اجازت حاصل کر لی۔ گھر پہنچا شہر میں اعلان کیا، بہت بڑا جلوس نکلا اور گرفتار ہو گیا۔ میری خوش قسمتی ملاحظہ فرمائیے کہ میں لاامنڈمنٹ ایکٹ کا پہلا قیدی تھا۔ اور اس فخر کے حاصل کرنے میں بھی بخاری کی مہربانیوں کا بہت بڑا حصہ تھا۔

میں جب گرفتار ہونے کے لئے زیادہ بے تاب تھا تو میرے دل میں ایک جذبہ کارفرما تھا۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ پکڑا جاؤں گا تو بخاری کے پاس پہنچا دیا جاؤں گا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ مہینہ بھر میرا دل کروٹیں لیتا رہا بالآخر قدرت نے یہ آرزو بھی پوری کر دی۔ لدھیانے سے انبالہ اور انبالہ سے میانوالی جیل پہنچ گیا۔ دیکھا زندگی میں میل ملاپ کی کس قدر کشادہ راہیں موجود ہیں مگر اب..... "ہم کہاں بیٹھ کے اب نالہ و فریاد کریں"

حضرت شاہ جی اپنے خدا کے پاس وہاں پہنچ گئے جہاں بلاوے کے بغیر کوئی جا بھی نہیں سکتا اور جو چلا جائے وہ واپس نہیں آتا۔ اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لے کر"